اوقاف ورموز کے مسائل

وقف لازم کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں وقف لازم نہ کرے، جیسے ﴿فلاَ یحزُنکَ قَولَهُمْ. اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یعْلِنُوْنَ﴾ الاٰیة (۱) میں "قولهم" پر وقف نہیں کیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟ اور موضع وقف پر وقف نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قرآن کریم میں جہاں وقف لازم لکھا ہوتا ہے، وہاں وقف کا لزوم صرف فن تجوید کے لحاظ سے ہے، (۲) ویسے شرعاً کسی مقام پر بھی وقف لازم نہیں، لہٰذا وقف نہ کرنے سے نہ نماز میں کوئی قباحت آتی ہے اور نہ ہی کفر لازم آتا ہے، صرف تجوید کی رعایت سے وقف لازم پر وقف کرنا ضروری ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۸۶/۳)

مقررہ رموز اوقاف پر وقف کرنے کا حکم:

سوال: قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لیے صحیح اور مناسب موقع محل پر ٹھہرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماءِ اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں، مثلاً تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، متروک وغیرہ اور علامہ سجاوندی نے تو وقف کر کے ان کے لیے رموز اوقاف وضع کئے ہیں، گو ان کی اصطلاحات دیگر علماء اوقاف سے مختلف ہیں، مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور یہ رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاوندی سے

(۱) سورة یٰسٓ: ۷۶. انیس

(۲) الوقف التام اللازم وحكمه لزوم الوقف عليه والإبتداء بما بعده مالم يوجد مانع من ذلك. (الميزان في أحكام تجويد القرآن، الوقف اللازم: ۱۹۹، دار الإيمان القاهرة. انيس)

(۳) الوقف في اللغة الحبس والكف يقال: أوقفته أي حبسته عنه، واصطلاحاً: قطع الصوت عن القراءة زمناً لـلتنفس فيه ناوياً بعده استئناف القراءة لا معرضا عنها، حكم الوقف: جائز، ما لم يوجد ما يمنعه أو يلزم الوقف. (القول السديد في علم التجويد، شرح العناصر: ۲۰۷، دار الوفاء المنصورة. انيس)

پہلے بھی ائمہ اوقاف نے معنیٰ کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اور ان کے لیے احکام بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً: **إیضاح الوقف والابتداء للانباری المتوفیٰ: ۳۲۸ھ، الاکتفاء فی معرفة الوقف والابتداء لأبی عمر الدانی المتوفیٰ: ۴۴۴ھ، الاهتداء فی بیان الوقف والابتداء للعلامة ابن الجزری، منار الهدیٰ فی بیان الوقف والابتداء للأشمونی** (یہ کتاب عام دستیاب ہے)، **المرشد للشیخ زکریا الأنصاری**، یہ کتاب منار الہدیٰ کے حاشیہ پر ہے اور بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم کی خدمت کی ہے، جواب طلب بات یہ ہے کہ علماءِ اوقاف کا وقف کی قسمیں کرنا اور ان کے لیے رموز وضع کر کے مصاحف میں شامل کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

علامہ زرکشی اور علامہ سیوطی نے وقف کی قسمیں، ان کے احکام اور ان کے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اول الذکر نے اپنی کتاب "**البرهان فی علوم القراٰن: ۳۵۴/۱**" اور ثانی الذکر نے "**الإتقان فی علوم القراٰن: ۸۹/۱**" میں لکھا ہے:

وذهب أبو یوسف القاضی صاحب أبی حنیفة إلٰی أن تقدیر الموقوف علیه من القرآن بالتام والناقص والحسن والقبیح وتسمیته بذٰلک بدعة ومتعمد الوقف علی نحوه مبتدع قال: لأن القراٰن معجز وهو کاللفظة الواحدة فکله قراٰن وبعضه قراٰن وکله تام حسن وبعضه تام حسن، حکی ذٰلک أبو القاسم برهان النحوی عنه. (۱)

جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اور مولانا سید نذیر حسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی تھی کہ علامہ سجاوندی کی مقرر کردہ رموز اوقاف اور ان پر وقف کرنا بدعت ہے اور آیات پر وقف کرنا ضروری اور واجب ہے تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں "**رد الطغیان فی أوقاف القرآن**" کے نام سے کتاب لکھی اور حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف کی عبارت سے جو تعارض پیدا ہو رہا ہے، اس کو حل فرمائیں اور مفصل ومدلل با حوالہ جواب سے مستفید فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں؟

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

حامدًا ومصلیًّا! اوقاف قرآن روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں، ان کو بدعت کہنا صحیح نہیں؛ البتہ ان اوقاف پر ٹھہرنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں، لہٰذا ان کو واجب سمجھنا یا ان کی پابندی نہ کرنے والے کو گناہ گار قرار دینا ضرور بدعت ہے، اس کی ساری تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ "**رد الطغیان فی**

---

(۱) **البرهان فی علوم القرآن، النوع الرابع والعشرون: معرفة الوقف: ۳۵۴/۱، دار إحیاء الکتب العربیة/ الإتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والعشرون فی معرفة الوقف: ۲۹۸/۱، الهیئة المصریة العامة للکتاب. انیس**

أوقـاف القـرآن'' میں ہے، جس میں حضرت نے روایات اور اجماع سے اوقاف قرآن پرٹھہرنا ثابت کیا ہے اور جو آپ نے امام ابو یوسف کا قول پیش کیا ہے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل اور تعلیم کی غرض سے مختلف اقدامات کئے گئے تو بعض حضرات نے قرآن کریم میں تحریف کے پیش نظر اس کی مخالفت کی، مثلاً: جب قرآن پاک پر نقطے لگائے گئے یا حرکات ظاہر کی گئیں یا نشان کے طور پر ہر پانچ آیات کے بعد ''خمس'' یا ''خ'' اور ہر دس آیات کے بعد ''عشر'' یا ''ع'' لکھا گیا تو علماءِ متقدمین کا اس میں اختلاف ہوا، بعض حضرات جائز کہتے تھے اور بعض مکروہ کہتے تھے، صحابہ وتابعین کے اقوال میں اس قسم کے اختلاف موجود ہیں؛ لیکن ان تمام اقوال میں مفتی بہ اور مختار قول اسی کو قرار دیا جائے گا، جس کو امت نے اپنے تعامل سے اختیار کرلیا ہو اور تعامل کے خلاف سلف کے جو اقوال ملتے ہیں، وہ اب شاذ ہونے کی بنا پر مفتی بہ نہیں رہے، جہاں تک امام ابو یوسفؒ سے مذکور قول کا تعلق ہے، اس میں دو احتمال ہیں؛ ایک یہ کہ ان کا مقصد اوقاف کو سرے سے بدعت کہنا نہ ہو؛ بلکہ ان اوقاف کے مطابق وقف کو اگر کوئی لازم سمجھے تو اس کو بدعت قرار دینا ہو، اس صورت میں ان کے قول کے اندر کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ امت کا مفتی بہ مسلک یہی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ انہوں نے ان اوقاف کو مطلقاً بدعت کہا ہو، اس صورت میں چونکہ امت کا تعامل اس کے خلاف ہوگیا، اس لیے یہ قول انہی شاذ اقوال میں شامل ہوگا، جو متروک ہو چکے ہیں، لہٰذا تعامل امت کے خلاف اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالشکور دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ الجواب صحیح: محمد تقی عثمانی، ۱۹/ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: رشید احمد، یوم الترویہ ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۸۷-۸۸)

رموز اوقاف پرٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کی بحث:

سوال: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ اَلَّذِیْ يُوَسْوِسُ ۝ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ. (الآية)

آیت ''لا'' پر اگر سانس ختم یا بند ہو جانے کی وجہ سے وقف کرے اور اخیر لفظ کو نہ دہرا کر آگے بڑھتا چلے تو نماز میں کیا خلل ہے، نیز تیسری مثال میں اگر وقف کرلیا ہو تو آگے ''اَلَّذِیْ'' کہہ کر پڑھا جاوے یا ''نِ الَّذِیْ'' کہہ کر۔

الجواب

آیت ''لا'' پر بضرورت وقف کردینے میں کچھ حرج نہیں ہے اور لفظ ماقبل کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نماز میں کچھ خلل نہیں ہے اور تیسری مثال میں ''اَلَّذِیْ'' اور ''نِ الَّذِیْ'' دونوں طرح پڑھنا درست ہے، مگر حالت وقف میں ''اَلَّذِیْ'' پڑھنا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۷)

امام رموزِ اوقاف پر وقف نہ کرے تو بھی نماز صحیح ہے:

سوال: امام نے صبح کی دوسری رکعت میں "إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ" سے "يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الذى" پر سانس توڑا، ایک شخص کہتا ہے کہ اس طرح پڑھنا ناجائز ہے؟

الجواب

اس صورت میں قرأت صحیح ہوئی اور نماز میں کچھ خلل اور فساد نہیں آیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۸)

"رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پر سانس روکنا:

سوال (۱) امام "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پر پختہ آیت کرتا ہے، نماز میں کوئی حرج تو نہیں؟

"فَعَّالٌ" کے 'عین' پر جزم پڑھنا:

(۲) امام "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" میں 'عین' پر جزم کرتا ہے، نماز صحیح ہے، یا نہیں؟

"يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلاَئِكَةُ صَفًّا" پر وقف:

(۳) امام آیۂ کریمہ "يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلاَئِكَةُ صَفًّا" پر اگر وقف کرے تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟

آیت "لا" پر وقف:

(۴) آیت "لا" پر وقف کردینے سے کچھ حرج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) کچھ کراہت وغیرہ نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) ومنها زلة القارى فلوفى إعراب أوتخفيف مشدّد وعكسه،إلخ أوبوقف وابتداء لم تفسد وإن غير المعنى به يفتىٰ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،زلة القارى: ۱/۵۹۱،ظفير)(باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،انيس)

(۲) عن أم سلمة أنها ذكرت أو كلمة غيرها قرء اة رسول الله صلى الله عليه وسلم :"بسم الله الرحمن الرحيمoالحمدلله رب العالمينoالرحمن الرحيمoملك يوم الدين،يقطع قرء اته آيةً آية "قال أبوداؤد:سمعت أحمد يقول:القرء اة القديمة مالك يوم الدين.(سنن أبى داؤد،كتاب الهروف والقرء ات (ح: ۴۰۰۱)/مسند الإمام أحمد،حديث أم سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ۲۶۵۸۳)/مسندأبى يعلى الموصلى،مسند أم سلمة (ح:۷۰۲۲)/المستدرك للحاكم،من كتاب قرء ات النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ۲۹۱۰)/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب الدليل على بسم الله الرحمن الرحيم من القرآن (ح:۲۳۸۳)انيس)

(۲) فَعَّالٌ کے عین میں ادغام ہے، یعنی اس میں دوعین ہے، پہلا ساکن دوسرا متحرک، گویا اصل اس کی یہ ہے: فَعْ عَالٌ، پس اگر اسی طرح پڑھا تو نماز صحیح ہے۔(۱)

(۳) نماز صحیح ہے اور صفاً پر وقف کر دینے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔(۲)

(۴) آیت ''لا'' پر وقف کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے اور نماز صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۲۴۳)

سورہ فاتحہ میں سکتہ نہ کرنے سے شیطان کا نام نہیں بنتا:

سوال: بعض کا قول ہے کہ ''الحمد'' یعنی سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتات کرنا چاہئے، اگر یہ سکتات نہ کئے جائیں تو نام شیطانی پیدا ہو جاتا ہے جو کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ یہ قول صحیح ہے کہ غلط؟

الجواب

یہ قول بالکل باطل اور محض لغو ہے۔

کما حققه فی القول الفاصل بین الحق والباطل للإمام محمد بن عمرو بن خالد القرشی حیث قال: إعلم أن هؤلاء القائلین زعموا فیما زعموا وغفلوا فیما نقلوا، بل إن مازعموه وسواس صرف وما نقلوه افتراء محض، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۲۲۸-۲۲۹)

(۱) الإدغام فی اللغة عبارة عن إدخال الشیء فی الشیء.(سراج القاری المبتدی، باب الإدغام الکبیر: ۳۳، مصطفی الحلبی مصر، انیس)

الإدغام لغة الدمج والإدخال، واصطلاحاً إدخال حرف ساکن فی متحرک بحیث یصیران حرفاً واحداً مشدداً.(المیزان فی أحکام تجوید القرآن: ۱۱۲، دار الإیمان القاهرة، انیس)

وقد اتفق القراء علی وجوب الإدغام فی الحرفین المتماثلین والمتجانسین (إذا سکن الأول منهما وتحرک الثانی).(المیزان: ۱۳۵)انیس)

(۲-۳) إذا وقف فی غیر موضع الوقف أو ابتدأ من غیر موضع الإبتداء وإنه علی وجهین الأول: أن لایغیر به المعنی تغیراً فاحشاً لکن الوقف والإبتداء قبیح.(المحیط البرهانی، الفصل الثامن فی الوقف والوصل والإبتداء: ۳۲۹/۱، دار الفکر بیروت.انیس)

إذا وقف فی غیر موضع الوقف أو ابتدأ من غیر موضع الإبتداء إن لم یتغیر به المعنی تغیراً فاحشاً ... لا تفسد بالإجماع بین علمائنا ... وإن تغیر به المعنی تغیراً فاحشاً ... لا تفسد صلاته عند عامة علمائنا وعند البعض تفسد صلاته والفتویٰ علی عدم الفساد علی کل حال، هکذا فی المحیط.(الفتاوی الهندیة، الفصل الخامس فی زلة القاری: ۸۱/۱، دار الفکر.انیس)

(۴) دیکھئے! کتاب مذکور، القول الفاصل بین الحق و الباطل.

”نستعین“ پروقف نہ کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: زید نماز میں ”اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ“ پر باوجود وقف ہونے کے وقف نہیں کرتا اور یوں پڑھتا ہے ”نَسْتَعِيْنُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ“ اور ”قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدُنِ اللّٰهُ الصَّمَدُ“ پڑھتا ہے، اس سے نماز میں کچھ نقصان تو نہیں ہوتا اور قراء سے یہ ثابت ہے یا نہ اور اس طرح پڑھنے سے معنی میں کچھ نقصان آئے گا یا نہ؟

الجواب

اصل یہ ہے کہ ”نستعین“ پر وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں، اسی طرح ”قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ“ پر آیت کرنا نہ کرنا، دونوں طرح ثابت ہے، پس اگر آیت کی جائے گی تو ”اِهْدِنَا“ اور ”اَللّٰهُ الصَّمَدُ“ پڑھا جائے گا اور اگر آیت نہ کی جاوے اور وقف نہ کیا جاوے تو ”نُ اهْدِنَا“ اور ”نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ“ پڑھا جائے گا، معنی میں کچھ فرق نہیں ہوتا اور قراء دونوں طرح پڑھتے ہیں؛ لیکن زیادہ تر ”نَسْتَعِيْنُ“ پر اور ”اَحَدٌ“ پر آیت کرنا ہے اور ”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ“ اور ”اَللّٰهُ الصَّمَدُ“ علیحدہ پڑھنا ثابت ہے۔ لہذا زید کو کچھ ضرورت نہیں کہ وہ ”نُ اهْدِنَا“ اور ”نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ“ پڑھے؛ بلکہ جیسے اکثر قراء پڑھتے ہیں، اسی طرح پڑھے؛ لیکن اگر اتفاقی زید نے اس طرح پڑھ دیا تو اس پر اعتراض نہ کیا جاوے، اس کو غلط نہ کہا جاوے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۵-۲۴۶)

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف کرنا مستحب و افضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔

عن ابن جريج عن ابن أبی مليكة، عن أم سلمة رضی الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقطع قرأته يقول (الحمد للّٰه رب العالمين)، ثم يقف ثم يقول: (الرّحمن الرّحيم) ثم يقف. رواه الترمذی. (مشكوٰة المصابيح، ص: ۱۹۱/(۱) شمائل الترمذی، ص: ۵۹۲)(۲)

(۱) كتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوة، الفصل الثانی، رقم الحديث: ۲۲۰۵/سنن الترمذی، باب فی فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۲۹۲۷، انيس

(۲) كتاب القراءات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب فی فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۲۹۲۷، انيس

وفی کنز العمال عن أبی عثمان النهدی عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالی عنه أن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یقطع قرأته بسم اللّٰه الرحمن الرحیم، الحمد للّٰه رب العالمین إلٰی آخرها،السلفی فی انتخاب حدیث الفراء ورجاله ثقات.(کنز العمال:۸/۷۱)(۱)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہورہی ہے:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال:"من صلّی صلوٰةً ثم لم یقرأ فیها بأم القرآن فهی خداج" ثلاثًا،غیر تمام،فقیل لأبی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه: إنا نکون وراء الإمام،فقال:اقرأه بها فی نفسک،فإنی سمعت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول؛قال اللّٰه تعالی قسمت الصلوٰة بیننی وبین عبدی نصفین،ولعبدی ما سأل فإذا قال العبد (الحمد للّٰه ربّ العٰلمین)قال اللّٰه تعالی:حمدنی عبدی،وإذا قال(الرحمن الرحیم)قال اللّٰه:أثنی علیّ عبدی، فإذا قال:(مالک یوم الدین)قال مجدنی عبدی،(وقال مرة فوّض إلیّ عبدی)فإذا قال:(إیّاک نعبد و إیّاک نستعین)قال هذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل:فإذا قال(إهدنا الصّراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولاالضالّین)،قال:هٰذا العبدی ولعبدی ما سأل.(الصحیح لمسلم:۱/۱۶۹)(۲)فقط واللّٰه تعالی أعلم

۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۸۲-۸۳)

سورۂ نور میں رجال "لا تلهیهم" کے رجال پر وقف کی تحقیق:

سوال: سورۂ نور رکوع پنجم "یسبح له فیها بالغدو والآصال"تا"ذکر اللّٰه"، ایک شخص نے لکھا ہے کہ رجال کے بعد سجاوندی نے وقف "ط" لکھا ہے اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں "لا" بنا ہے، یہ غلط ہے،ابوبکر وغیرہ جو لوگ "یسبح" بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں،ان کے نزدیک "الآصال" پر ط ہونا چاہئے اور رجال پر لا اور جو معروف پڑھتے ہیں،ان کے نزدیک رجال پر ط ہونا چاہئے اور "الآصال" پر لا،حفص کی قرأت میں رجال پر لا لکھنا غلط اور سہو کاتب ہے، میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجال پر لا لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں، جو قریب المعنی ہے لا کے اور متبادر معنی بھی مشعر ہے کہ رجال پر حفص کے لئے وقف قبیح ہو،جس کی علامت "لا" ہے، اس لئے کہ جملہ "لا تلهیهم" صفت ہے،لہٰذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفت ہوگا، جو قبیح ہے اور آیت بھی

(۱) کنز العمال،فصل فی أذکار التحریمة ومایتعلق بها:۸/۱۰۸،رقم الحدیث:۲۲۱۱۸،مؤسسة الرسالة/

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة،باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة،رقم الحدیث: ۳۹۵/وکذا فی موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،فی باب افتتاح الصلاة: ۱/۶۰،المکتبة العلمیة/القراءة خلف الإمام للبخاری،باب القراءة فی الظهر فی الأربع کلها (ح:۱۲)انیس

نہیں ہے، پس رجال پر ''ط'' بنانا مناسب ہے یا ''لا''، بہرحال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا اور رسالہ سجاوندی میں رجال پر وقف مطلق سہو کاتب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا، یا رسالہ سجاوندی معتبر ہوگا؟

الجواب

میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہوسکتی ہیں، مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی کی تقدیر پر، اس طرح کہ رجال کو موصوف نہ کہا جاوے؛ بلکہ بمعنی بعض کے لے کر کلام کو ختم کردیا جائے، آگے جملہ استینا فیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں، ایسے ایسے ہیں، **فارتفع الإشكال**.

۱۲؍ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ یوم دوشنبہ۔ (تتمہ اولیٰ: ۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۳۱۲/۱)

سورۂ یٰسین شریف میں ''من مرقدنا'' پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ:

سوال: سورۂ یٰسین میں ''من مرقدنا'' پر اکثر قرآن شریف میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے اور حفص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سکتہ منقول ہے، تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم، بصورت اختلاف رسالہ سجاوندی اور منار الہدیٰ (۱) کون زیادہ قابل اعتبار ہے؟

الجواب

میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں؛ کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہئے؛ بوجہ اس کے کہ وصل سے ایہام فساد معنی ہوتا ہے اور یہ غرض سکتہ سے بھی حاصل ہوجاتی ہے، پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا، اس طور پر تعارض نہ رہا۔

۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ۔ (تتمہ اولیٰ، صفحہ: ۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۳۱۳/۱)

ثبوت اوقاف کلام مجید:

سوال: یہ جو رموز اوقاف قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول بہا قرأت کے ہیں، ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت واجماع وقیاس ہے یا نہیں اور جو شخص ان پر قصداً عمل نہ کرے، اس کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۱) وروى عن قنبل أنه قال: سمعت أحمد بن محمد القواس يقول: نحن نقف حيث انقطع النفس إلا في ثلاثة مواضع نتعمد الوقف عليها: ... وزيد عنه موضع رابع في ''مرقدنا'' ثم نبتدى ''هذا ما وعد الرحمن''، آه، النكزاوى. (منار الهدىٰ في بيان الوقف والإبتداء، سورة الأنعام: ۲۰۰، دار الحديث القاهرة. انيس)

أي واسكت على الألفين من ''مرقدنا وعوجا'' فتقول: عوجاً بالألف مبدلة من التنوين وتسكت وتقول ''قيما'' وكذا تقول: مرقدنا وتسكت ثم تقول: ''هذا''. (شرح طيبة النشر لابن الجزرى، باب وقف حمزة وحشام على الهمز: ۱۰۰، دار الكتب العلمية. انيس)

الجواب

(۱) آیات واوقاف کلام مجید کے کتاب وسنت واجماع وقیاس سے ثابت ہیں۔

أما الكتاب:

فقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴾ (۲)

فرمایا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا وقفوں کا۔ (۳)

فی الصراح ترتیل ہموار خواندن وآرمیدہ وپیدا خواندن۔

وقال اللّٰه تعالىٰ: ولقد آتيناك سبعا سبع آيات. (۴)

وهى الفاتحة. (بیضاوی:۱۲) (۵)

أما السنة:

فعن أم سلمة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقطع قرأته يقرأ: (الحمد للّٰه رب العالمين) ثم يقف، (الرحمن الرحيم)، ثم يقف. (سنن الترمذی: ۱/۱۳) (۶) / **وعن أبى هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أن سورة من القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفرله، وهى سورة تبارك الذى بيده الملك.** (سنن الترمذی: ۲/۱۲۶) (۷) / **وفى الحديث من ضمن أن يقف على عشر مواضع فى القرآن ضمنت له بالجنة، كذا فى الدرة.** (از نہایات البیان مصنفہ قاری سید محمدی دہلوی مرحوم)

اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفات فرماتے رہے، کما یعلم من مطالعۃ رسائل القرأۃ اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع ومواقع وصل وفصل ہوا کرتے ہیں تو من جملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاجت اس کی تعلیم وتعلم کی نہ تھی،

(۱) اس مبحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوط ہے جو رسالہ اثبات وقف لازم کے اخیر میں چھپی ہے۔ منہ

(۲) سورة المزمل: ٤، انیس

(۳) از مختصر التجوید مصنفہ قاری قادر بخش مرحوم

(۴) آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے۔ منہ

(۵) من تفسير سورة الحجر، الآية: ۸۷-۳/۲۱۶، دار إحياء التراث العربى. انیس

(۶) كتاب القراءات، عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، باب فى فاتحة الكتاب (ح: ۲۹۲۷) انیس

(۷) كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فى فضل سورة الملك (ح: ۲۸۹۱) انیس

جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اوران کی زبان عربی نہ تھی، اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے، ان کے لئے علماء سلف نے اعراب قرآن اور رموز واوقاف تجویز فرمائے اورضبط کئے؛ تاکہ ان کی سہولت ہو، پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہے اورحتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جگہ خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں، چنانچہ سورۂ براۃ میں آیت ''**والله لایهدی القوم الظالمین**'' پرٹھہرنا لازمی ہےاوراگر یہاں نہ ٹھہرا، اور'' **الذین آمنو وهاجروا**'' کےساتھ ملادیں تو بالکل معنی فاسد ہوجاویں گے، **کما لایخفی و کفی قدوة بما قال النبی صلی الله علیه وسلم ماراه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن**، (۱)اورجوقصداً اس کےخلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔ واللہ اعلم

محرم ۱۳۰۱ھ۔(امداد:۱/۱۴۱)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۰۶-۳۰۷)

حدیث حضرت ام سلمہؓ پراشکال اوراس کا جواب:

سوال: صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ(لا) علامت ہو، اس جگہ وقف کرنا یانہ کرنا؟ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وقف فرماتے تھے، یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ثابت ہے؛ لیکن علما وحفاظ گجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں، لہٰذا حضور سے دریافت کیا گیا؟

الجواب

نہ کرنا اولیٰ ہے، مگر جہاں منقول ہو، وہاں کرنا اولیٰ ہے۔(۲)

۹/ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ(تتمہ خامسہ،ص:۱۷)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۰۷)

(۱) فضائل الصحابة لأحمدبن حنبل،ومن فضائل عمربن الخطاب من حديث أبي بكر (ح: ٥٤١)/مسند الإمام أحمد موقوفاً،مسندعبدالله بن مسعود (ح: ٣٦٠٠)/المستدرك للحاكم،أما حديث ضرة وأبوطلحة (ح: ٤٤٦٥)/ معجم ابن الأعرابی،باب ی (ح: ٨٦١)/المعجم الأوسط،من اسمه زكريا (ح: ٣٦٠٢)انيس

(۲) وفيه أن الوقف المستحسن على أنواع ثلاثة: الحسن والكافي والتام،فيجوز الوقف على كل نوع عند القراء العظام.(مرقاة المفاتيح،كتاب فضائل الأعمال: ١٥٠٣/٤،دارالفكر)

عن جابر بن عبدالله قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نقرأ القرآن وفينا الأعرابی والعجمی فقال: اقرؤوا فكل حسن وسيجيء أقوام يقيمونه كما يقام القدح يتعجلونه ولا يتأجلونه.(سنن أبي داؤد،باب مايجزی الأمی والعجمی من القرآن (ح: ٨٣٠)

(فكل حسن) أی فكل قرءاة مما يقرأ أحدكم من العرب والأعراب والعجم حسن إذا آثرتم ثواب الأجلة على العاجلة ولا عليكم أن تقيموا ألسنتكم إقامة السهم قبل أی يراش.(شرح الطيبی على مشكاة المصابيح،باب آداب التلاوة ودروس القرآن: ١٦٩٠/٥،مكتبة نزار.انيس)

موضع وقف میں وقف نہ کرنا:

سوال: وقف قرأۃ قرآن مجید مواضع اوقاف میں بجز داسکان حروف موقوف علیہا بلاقطع انفاس گزر جانا، جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً جائز ہے؛ یعنی گناہ نہیں؛ لیکن عربیت وفن قرأت کے خلاف ہے۔(۱) فقط

۹ رمحرم ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ ص:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۰۷)

حروف مشدد پر وقف کرنے کا طریقہ:

سوال: حروف مشدد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے یا باشارہ تشدید اور اس حکم میں را ونون اور باقی حروف میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب

قدرے تشدید کا اثر ظاہر ہونا چاہئے، خواہ کوئی حرف ہو۔(۲) فقط

۹ رمحرم ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ ص:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۰۷-۳۰۸)

سورۂ انعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب:

سوال: اوقاف سجاوندی میں اکثر خلجان ہوتا ہے پہلے بھی عرض کیا ہے اس وقت دو جگہ خلجان ہے اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرمادیں۔

(۱) **وأقسموا بالله جهد أيمانهم لئن جأتهم آية ليؤمنن بها قل إنما الآيات عندالله ومايشعر كم أنها إذاجاء ت لايؤ منون.** جملہ **ومايشعر كم تالايؤ منون** برقرأۃ "ان" مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے، داخل مقولہٗ قول نہیں معلوم ہوتا اور درصورت عدم وقف شبہ ہوسکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو، لہٰذا بظاہر عنداللہ پر وقف لازم ہو؛ مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا، حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی تحریر فرمادیں تو بہت ہی اچھا ہو؟

(۱) والوقف عبارة عن قطع الصوت عن الكلمة زمناً يتنفس فيه عادة بنية استئناف القراء ة.(شرح طيبة لنشر لابن الجزرى،مبحث الوقف والإبتداء:٤٣،دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

(۲) ومـمـه خلاف هب ظبي وهي وهو☆ ظل وفي مشدداسم خلفه.(طيبة النشر في القراء ات العشر،باب الوقف على مرسوم الخط:٥٦،دارالهدىٰ جدة،انيس)

(۲)　ألا إنهم من إفكهم ليقولون ولد الله وإنهم لكاذبون، چونکہ بظاہر جملہ "**وانهم لكاذبون**" ماقبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول نہیں، لہذا وقف لازم ہے، حالانکہ سجاوندی میں "**لا**" لکھا ہے، تعجب ہے، ہاں! اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر "**وانهم مرسلين**" کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں؛ مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور منار الہدی میں اس جگہ جائز لکھا ہے؟

الأجوبة: اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر اور حمزہ نے قر اُسبعہ میں سے "**انها**" بفتح "**ان**" اور **لايؤمنون** بصیغۂ خطاب پڑھا ہے، تو اس صورت میں جملہ **ومايشعركم** داخل مقولہ ہوسکتا ہے؟

ويكون المعنى مايشعركم أى لاتعلمون بل يعلم الله تعالىٰ أنهاإذاجاء ت لايؤمنون، پس ممکن ہے کہ سجاوندی کی یہی قرأت ہو اور بقیہ قرأت پر بھی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ قل کا مقولہ کفار نہ ہوں؛ بلکہ کفار کی قسم سن کر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہوگئی تھی، ان کو دونوں جملوں سے؛ یعنی **إنماالآيات** سے بھی اور **ومايشعركم** سے بھی فہمائش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم

دوم:　اس وقت اور ابھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے، سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتۂ خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا؛ مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب نے ایک بار فرمایا تھا کہ تعجیل تنزیہ حق وتعجیل ابطال باطل مقصود ہے۔ (واللہ اعلم) علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں، **والا اجتهاد يحتمل الخطاء والصواب**

اور (۱) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا، جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینۂ عقلیہ اس ایہام کا قاطع ہیں؛ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً والتزاماً اس کا ابطال کرے، یہ عادۃً ممتنع ہے۔ پس یہاں **وانهم لكاذبون** میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں، علی ہذا آیۂ **وقالوااتخذ الله ولدًا سبحنه** میں بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ **اتخذ الله ولدًا** بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں، پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا، لہٰذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم

۴ر شوال ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ: ۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۰۸-۳۰۹)

(۱)　اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے سو اگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں اسلئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا۔ منہ

رفع شبہ بر بعض اوقاف:

سوال: ''**إذ یعدون فی السبت**'' إذ ظرف ہے''**القریة**''کا؛یعنی ''**واسئلهم عن القریة التی كانت حاضرة البحر** ''میں جوقریہ ہے،اس میں مضاف محذوف ہے،''**اذیعدون**''ظرف ہے اس مضاف کا تو''اذ''کوقریہ سے فصل کرنا ناجائز ہوا،یعنی''بحر''کو''اذ''سے ملاکر پڑھنا چاہئے ،پھر''بحر''پروقف کیا علمانے بے تحقیق لکھ دیا ہے،یا کوئی وجہ ہےتو بیان کریں؟ یہ سورۂ اعراف میں ہوا،اسی طرح سورۂ مومنون میں''اعناب''پروقف لازم کہتے ہیں؛ حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے؛ کیونکہ''جنات''مفعول ہے''انشانا''کا،یقیناًاور''وشجرة تخرج''معطوف ہے''جنات''پر،معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا؛خصوصاًجب مفردات ہوں، جملے نہ ہوں، ناجائز ہے،تو''انشانا''سے''للآكلین''تک وقف کرنا ناجائز ہوا تو''اعناب''پربھی وقف ناجائز ہوا، ناجائز کولازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ؛ بلکہ اگر دیدۂ ودانستہ کہےتو کافر ہوجاوے،مثلاً: لمس اجنبیہ ناجائز ہےاوراگرکوئی اس کوواجب کہےتو کافر ہوجائے گا،باتفاق مسلمین۔

الجواب

اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہئے۔

مقدمہ اول: رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قرأت سبعہ کے توقیفی ہیں اوران میں جواختلاف ہے،وہ بناءعلی اختلاف الروایات ہےاور باقی جتنے اوقاف ہیں،سب اموراجتہادیہ وذوقیہ ہیں اورذوق لسانی سے ہرلغت میں یہ فصل ووصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیاجاتا ہے اوران میں اختلاف بناءعلی اختلاف التفسیر والتاویل والاعراب ہے،مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ وشافعیہ کے، اسی بناپراوقاف کے باب میں ائمہ قرأت کی اصطلاح جُدا جُدا ہیں،چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں: تام،اتم،کافی،اکفی،حسن،احسن،صالح،اصلح،قبیح،اقبح،اورامام سجاوندی کی یہ اصطلاحیں ہیں: مطلق جائز،مجوز،مرخص اوراس مطلق کی ایک قسم لازم ہےاوربعض کی یہ اصطلاحیں ہیں،تام شبیہہ،بتام،ناقص،شبیہہ بناقص،حسن،شبیہہ بحسن،قبیح،شبیہہ بقبیح،چنانچہ یہ اصطلاحیں منارالہدیٰ (۱) میں موجود ہیں،جن کےعنوانات ومعنونات ومواضع تعیین سب مختلف ہیں۔

مقدمۂ دوم: وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یافرضیت نہیں ہے، بلکہ بمعنی استحسان مؤکد ہےاورمداراس لزوم کاایہام پرہے،اگروصل موہم ارادہ غیرمراد ہو،وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

(۱) منار الهدیٰ فی بیان الوقف والإبتداء، تألیف: أحمدبن عبد الكریم بن محمد بن عبد الكریم الأشمونی الشافعی المصری المتوفیٰ، نحو: ۱۱۰۰،الناشر: دارالحدیث القاهرة،مصر،المحقق:عبدالرحیم الطرهونی،عام النشر: ۲۰۰۸م.انیس

مقدمہ سوم: اسی طرح وقف قبیح میں قبیح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں؛ بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مدار اس قبح کا بھی ایہام پر ہے، جہاں فصل موہم ارداہ غیر مراد ہوتا ہے، وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدیٰ میں ہے:

إذاعلمت هٰذاعرفت بطلان قول من قال: لايحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخرأن يقف علىٰ سبعة عشر موضعًافإن وقف عليها وابتداء مابعدها فإنه يكفر ولم يفصل والمعتمد ماقاله العلامة النكزاوى أنه لاكراهة إن جمع بين القول والمقول؛أنه تمام قول اليهود والنصارى والواقف على ذلك كله غير معتقد لمعناه إنما هوحكاية قول قائلها حكاهاالله عنهم ووعيدالحقه الله بالكفاروالمدارفى ذلك كله على القصد وعدمه ومانسب لابن الجزرى من تكفير من وقف على تلك الوقوف ولم يفصل ففى ذلك نظر، نعم إن صح عنه ذلك حمل على ماإذاوقف عليها معتقدًا معناه فإنه يكفر سواء وقف أم لا إلىٰ آخرما قال وأطال، (۱) وفيه أيضًا:القبيح وهوماشتد تعلقه بما قبله لفظا ومعنى ويكون بعضه أقبح من بعض نحو:﴿إن الله لايستحى﴾،﴿فويل للمصلين﴾فإنه يوهم غير ما أراده الله تعالىٰ فإنه يوهم وصفًالايليق بالبارى سبحانه وتعالىٰ ويوهم أن الوعيد بالويل للفريقين وهو لطائفة مذكورين بعده إلىٰ آخرماقال وأطال، (۲) وفى الجزرية:وليس فى القرآن من وقف واجب ولاحرام غير ماله سبب، (۳) وقال الملاعلى قارى فى شرح البيت: وحاصل معنى البيت بكماله انه ليس فى القرآن وقف واجب يأثم القارى بتركه ولاوقف حرام يأثم بوقفه لأنهما لا يبدلأن على معنى فيختل بذهابهماإلا أن يكون لذلك سبب يستد عى تحريمه وموجب يقتضى تحريمه وكان يقصد على مامن اله وإنى كفرت ونحوهما كماسبق من غير ضرورة إذ لا يقصد ذلك مسلم واقف على معناه وإذلم يقصد لايحرم عليه لا الوصل ولا الوقف فى مبناه.(۴)

اور بناءً علی المقدمۃ الاولیٰ ممکن ہے کہ اس ایہام میں آراء قراء مختلف ہوں۔

مقدمۂ چہارم: امور اجتہادیہ میں اختلاف کرنے سے تضلیل یا تفسیق نہیں ہوسکتی؛ ورنہ تمام مجتہدین پر عافیت تنگ ہوجاوے گی۔

مقدمۂ پنجم: **فى منارالهدى: يظلمون كاف شرعًاجائز.(۵)**

(۱) منار الهدیٰ،مطلب مراتب الوقف: ۳۰/۱،دارالحديث القاهرة،مصر.انيس
(۲) منار الهدیٰ،مطلب مراتب الوقف: ۲۸/۱،دارالحديث القاهرة،مصر.انيس
(۳) طيبة النشر لابن الجزرى،مبحث التجويد: ۴۱،دارالكتب العلمية بيروت.انيس
(۴)
(۵) منار الهدیٰ،مطلب مراتب الوقف: ۲۸/۱،دارالحديث القاهرة،مصر.انيس

وفيه أيضا: وأعناب جائز، ومثله كثيرة، ومنها تاكلون كاف على أن قوله وشجرة منصوب بفعل مضمر تقديره وإنشانًا شجرة وأنبتنا شجرة وليس بوقف إن عطفت شجرة على جنات وحينئذٍ لا يوقف على وأعناب ولا على كثيرة ولا على تاكلون.(۱)

مقدمۂ ششم: (۲)**إذ يعدون في السبت** میں یہ بھی احتمال ہے ''اذ'' ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام مستأنف ہو؛ یعنی جب کہ یہ کہا گیا'' **واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر** ''**ماكان حالهم** تو اس پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوا کہ معنی اس کا جواب دیا گیا'' **إذ يعدون في السبت أي كانت** تو **تلك الحال إذ يعدون في السبت** اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں راجح ہے۔

مقدمۂ ہفتم: **لكم فيها فواكه** میں بھی استئناف کا احتمال قوی ہے؛ کیوں کہ جب بطور انعام کے یہ کہا گیا ''**فانشأنا لكم به جنّٰت من نخيل وأعناب**'' تو یہاں سوال پیدا ہوا'' **أي نعمته كان لنا في أنشائها**'' اس کا جواب دیا گیا'' **لكم فيها فواكه كثيرة ومنها تاكلون**''، سجاوندی نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

مقدمہ ہشتم: چونکہ علم وقوف نہایت دقیق علم ہے، جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے، اس لئے بدوں جمع ان آلات وعلوم کے محض تھوڑی سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں؛ جیسا جمیع اجتہادیات کا حال ہے۔

بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں موقعوں میں جو وقف لازم ہے، وہ سجاوندی کے قول پر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وصل میں ایہام'' اذ'' کے ''واسئل'' کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن میں خلاف مراد قرآنی ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستأنفہ ہے، جیسا کہ مقدمہ ششم میں ظاہر کیا گیا، اس لئے انہوں نے ''بحر'' پر وقف کیا اور ایہام ''اعناب'' کے موصوف اور جملہ ''**لكم فيها فواكه كثيرة**'' کی صفت ہونے کا، الخ، یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں ہے؛ بلکہ نخیل واعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت ہے، لہذا استدلال یوں کرنا چاہئے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستأنفہ ہے، جیسا کہ مقدمہ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہے اور وصل میں شبہ تھا جنات یا نخیل واعناب کی صفت ہونے کا، جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا، اس لئے انہوں نے وقف کیا، رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے، سو وہ

(۱) **منار الهدیٰ، مطلب مراتب الوقف: ۶۱/۱، دار الحديث القاهرة، مصر. انيس**

(۲) اصل کتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی میں اس جگہ دس مقدمات تحریر ہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ ضمیمہ بنام تصحیح الاغلاط، صفحہ: ۱۸ میں اس مقام سے مقدمہ ہشتم نہم کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں جا بجا ترمیم واصلاح فرمائی گئی ہے، احقر نے تصحیح الاغلاط کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کر کے آٹھ باقی رکھے اور دوسرے مقامات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کردی، صرف تین مقامات ایسے تھے کہ ان میں ضرورت ترمیم کا تو حضرت نے اظہام فرمایا، مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی جائے، وہ تحریر نہیں فرمائی، اس لئے ان مقامات کو بعینہ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقامات کو بطور حاشیہ لکھ دیا ہے۔ (محمد سفیع دیو بندی عفا اللہ عنہ)

بیان بالا سے مندفع ہوگیا؛ کیوں کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک ایہام خلاف مراد ہے، اس لئے وقف ضروری ہوا، نہ کہ قبیح اور اگر محض فصل کو موجب قبح کہا جاوے، سواول تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کرلیا جاوے تو وقف کرنے ہی پر کیا موقوف ہے؟ خود موضع ثانی میں فاصل ہونا اتنے بڑے کلام کا "**لكم فيها فواكه كثيرة ومنها تاكلون**" لزوم قبح کیلئے کافی ہونا چاہئے (بحکم مقدمہ ہشتم)؛ بلکہ ایسا قبح تو قرآن مجید میں صدہا جگہ لازم آئے گا،(۱) مثلاً: آیت مذکورہ "**وقيله**" میں کہ بنابر قرأت نصب کے جوکہ قرأت متواترہ ہے، حسب اختیار اخفش جو نحو میں امام جلیل ہے "**قيله**" کا عطف "**سرهم ونجواهم**" تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں دو آیات کا فصل ہے (بحکم مقدمہ نہم)، پس اگر فصل مطلقا موجب قبح ہو تو ان ائمہ اجلہ نے اتنی قبائح کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا، علاوہ (۲) اس کے جو بناءِ شبہات کی ہے کہ "**اذ يعدون**" میں "اذ" ہے اس مضاف کا، الخ، یا شجرۃ مفعول ہے انشانا کا، الخ، اس میں خود کلام ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل "اذ" کا محذوف ہو؛ مثلاً: **كانت حاضرة يا وقعت القصة** یا مثل اس کے، جیسا قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں، پس بہرحال لزوم قبح کا کوئی مبنی نہیں پایا جاتا اور بعد **اللتيا واللتي** اگر خواہ مخواہ کوئی قبح کا قائل ہی ہو اور کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہو تو اس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجت ہوسکتی ہے، قائلین باللزوم پر جن کا مستند دلیل صحیح ہے، حجت نہیں (بحکم مقدمہ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو کہ حرام قطعی اجماعی ہے، قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا، اول تو غفلت ہے، معنی لازم وقبیح سے، پھر بوجہ فارق قطعیت واجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمۂ چہارم)، چنانچہ صاحب منار نے "**كانت حاضرة البحر**" پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعناب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم)؛ لیکن اس قسم کا اختلاف؛ جیسا صاحب منار نے امام سجاوندی کے ساتھ کیا ہے، ہم جیسوں کو کہ نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکاء، نہ وہ سلامت نظر، جائز نہیں (بحکم مقدمۂ دہم)۔ فقط واللہ اعلم

یکم شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد: ۱۱۳/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۳۰۰/۱-۳۰۵)

(۱) یہ اعتراض سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وہ **لكم فيها** کو جنات وغیرہ کی صفت کہتا ہے، پس یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے، لہٰذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ (منہ) تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرتؒ نے اعتراض کو ساقط لکھا ہے، مگر عبارت کتاب کی تغییر کی صورت نہیں لکھی، اس لئے احقر نے عبارت کو بعینہ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنا دیا، اسی طرح اس صفحہ کے دوسرے حواشی کا حال ہے۔ (محمد شفیع عفی عنہ) ی ہ اعتراض بھی سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جملہ معترضہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جاتا، برخلاف لازم کے، اس کی توضیح اس سے ہوسکتی ہے "**قتلت اليهود لعنهم الله تعالىٰ وأذا قهم عذاب الحريق الأنبياء بالإتفاق**" جائز ہے اور **قتلت اليهود الانبياء** میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں، لہٰذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ (تصحیح الاغلاط: ۱۹/۱)

(۲) یہ صحیح ہے، مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہیے کہ سجاوندی نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر وقف لازم کیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ منہ (تصحیح الاغلاط: ۲۰/۱)

قرآن مجید کے مختلف اوقاف کا مسئلہ:

سوال **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ، ماقولکم رحمکم اللّٰہ:**

قرآن شریف مطبوعہ ہند میں اکثر مقامات پر علامات وقف جیسے ج۔ط۔ص۔ز۔صلی۔سکتہ۔صل وقف لازم۔وقف غفران۔وقف النبی۔وقف جبرئیل۔وقف منزل لا۔ط۔ج۔ص۔صلی۔وغیرہ ہیں،ان علامات پر حسب قرأت حفاظ ہند وقف کرنا حدیث صحیح متصل السند مرفوع سے ثابت ہے یا نہیں اور قرأت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہاں کہاں وقف ہوتا تھا؟

الجواب

واللّٰہ الموفق للصواب،أما بعد:

خیر الحدیث کتاب اللّٰہ وخیر الھدی ھدی محمدصلی اللّٰہ علیہ وسلم وشر الأمور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة. (رواہ مسلم،والنسائی وزاد) **کل ضلا لة فی النار.** (۲)

وقف کرنا علامات مذکورہ پر بدعت ہے اور مرتکب بدعت کا آگ میں داخل ہوگا اور محدث ان علامات کا ابوطیفور خراسانی سجاوندی (۳) ہے کہ اُس نے دو کتابیں اس بارہ میں تالیف کی ہیں،ایک مدلل کہ اس میں دلائل حسبِ قواعد عربیت وقیاس ذکر کئے ہیں اور دوسری ملخص اس میں سے مدلل غیر مدلل کسی ایک میں حدیث کا ذکر نہیں،تو جاننا چاہیے کہ وقف سنت وہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور ان سے سوائے آیت کے کہیں وقف ثابت نہیں۔

عن أم سلمة أنھا ذکرت أو کلمھا غیرھافقالت قراء ة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بسم

---

(۱) یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا رسالہ ہے،جس کا نام ''**رد الطغیان فی أوقاف القرآن**'' ہے۔انیس

(۲) اور اللہ تعالیٰ صواب کی توفیق دینے والا ہے۔اما بعد بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بُرے اموراس کے نئے پیدا شدہ ہیں اور بدعت گمراہی ہے اور اس کو مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے اور یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

الصحیح لمسلم،باب تخفیف الصلاۃ والخطبة (ح: ۸٦۷)/مسند أبی یعلیٰ الموصلی،مسند جابر (ح: ۲۱۱۱)/المنتقٰی لابن الجارود،باب الجمعة (ح:۲۹۷)/سنن النسائی،کیف الخطبة (ح:۱۵۷۸)

وفی روایة أحمد،مسند جابر بن عبداللّٰہ (ح: ۱٤۹۸٤) بعد قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:'' وشر الأمور محدثاتھا ''وکل محدثة بدعة.انیس

(۳) **محمد بن طیفور الغزنوی السجاوندی المتوفٰی: ٥٦٠**،انہوں نے تفسیر میں ''**عین المعانی فی تفسیر السبع المثانی**'' ،قراءت میں ''**علل القراءات**''،**کتاب الوقف والإبتداء**''مطول ومختصر تصنیف فرمائیں ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھئے!الوافی بالوفیات:۳/۱۴۷،داراحیاءالتراث وغیرہ۔انیس

الله الرحمن الرحيم،الحمد لله رب العٰلمين،الرحمٰن الرحيم،مٰلك يوم الدين،يقطع قراء ة اٰية اٰية وفي رواية قرأالفاتحة كلها وقطعها اٰية اٰية إلٰى اٰخره. (رواه أحمد وأبوداؤد،والترمذي،وابن خزيمة،والحاكم،والدارقطني،وغيرهم،كما في الإتقان)(۱)

پس معلوم ہوا کہ درمیان آیت کے وقف کرنا بدعت ہے؛ جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہوا کہ قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "**بسم اللّٰه الرحمن الرحيمo ألحمد للّٰه رب العالمين o الرحمن الرحيم o مٰلك يوم الدين o إلخ**" تھی، یعنی قطع فرماتے آپ قرأت اپنی کو آیت آیت، مگر وقف اضطرار میں کہ جب سانس رُک جائے اور آگے چلنے کی طاقت نہ رہے تو درست ہے کہ!" **لا يكلف الله نفساً إلا وسعها**". (۲)

حررہ راجی الی رحمۃ اللہ رب العٰلمین۔ ابوالبرکات محمد عفاعنہ اللہ، الصمد حفیظ الدین۔

وقف علامات مذکورہ پر کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ حدیث صحیح سے صرف آیات پر وقف ثابت ہے۔

کتبہ: محمد بشیر

الجواب صحیح والمجیب نجیع سنت نبویہ سے اور عمل صحابہ سے اور نیز تابعین سے وقف ثابت ہے۔ صرف آیات پر۔ پس سوا آیت کے وقف کرنا بدعت ہوگا چنانچہ اس کی تحقیق بخوبی رسالہ ازالہ وتحفۃ القراء میں ہوگئی۔

حررہ الحافظ عبداللہ پشاوری۔ مہر عبداللہ

یہ علامات مذکورہ اور ان پر وقف کرنا قرون صحابہ میں اور کسی حدیث صحیح میں ثابت نہیں صرف آیتوں پر وقف کرنا ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: سلامت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح: سید محمد نذیر حسین، جواب ہذا حسب قواعد نبویہ صحیح ہے، حسبنا اللہ بس، حفیظ اللہ۔ الجواب صحیح: سید محمد عبدالسلام

بے شک آیات پر وقف کرنا سنتِ نبویہ ہے۔ خلاف اس کے ثابت نہیں۔

کتبہ: محمد صدیق۔ ابو یعقوب انصاری

---

(۱) ام سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خود بیان کیا یا کسی غیر نے اُن سے ذکر کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ایسی تھی ،بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله رب العالمين . الرحمن الرحيم مالك يوم الدين . کہ ہر آیت کی قرأت کو جدا جدا فرماتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے سورۃ فاتحہ پوری پڑھی اور ایک ایک آیت کو آخر تک جدا فرماتے رہے۔ اس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی ابن خزیمۃ، حاکم، دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا ہے، جیسا کہ اتقان میں ہے۔ **(الإتقان في علوم القرآن،النوع التاسع عشر في عددسوره و آياته: ۱/ ۲۳٤،الهيئة المصرية العامة للكتاب. انيس)**

(۲) اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

سورة البقرة: ۲۸٦. انيس

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

امابعد: اس مجیب اوراس کے مصدقین نے نہایت کم فہمی اور غایت جورعلی الائمہ کوکام فرمایا،سنو کہ روایات قرأت قرآن شریف متواتر ومشہور وشاذ سب کے سب معتبر تمام امت کے نزدیک ہیں،کسی عالم حقانی اور مجتہد کوانکارنہیں کہ سب کا استناد بسند صحیح فخرِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف ہوتا ہےاورکوئی قرأت نہ ان میں سے بدعت ہے،نہ مخترع، اگرچہ اختلاف الفاظ کا ہو،یاحرکات سکنات کا،یاطرزاداءقرأت کا،یا کچھاور،اگران میں سےایک شخص نےایک رائے اورایک طرز کواپنے استادوں سے سیکھا ہےتو وہ دوسری روایت وقرأت پر کچھ اعتراض نہیں کرتا،مثلاً: سورۂ فاتحہ میں ”ملک یوم الدین“اور”مالک یوم الدین“ دوقرأت ہیں اوردونوں متواتر،(۱)مگر ”مالک“ پڑھنے والا ”ملک“ پڑھنے والے پراور” ملک“ پڑھنے والا”مالک“ پڑھنے والے پراعتراض نہیں کرتااوراس کوخاطی نہیں جانتا،ایساہی﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلیٰ﴾ میں ایک نے بکسر خاء پڑھا ہے،بصیغۂ امر،دوسرے نے بفتح خاء بصیغہ ماضی،(۲)مگر یہ اس پراعتراض نہیں کرتااور نہ وہ اس پر؛ بلکہ ہرایک دونوں کوحق اورصحیح جانتا ہے،ثابت بالتواتر، علی ہذا﴿والليل إذا يغشى والنهار إذا تجلىٰ وما خلق الذكر والأنثى﴾ کہ قراءسبعہ ”وماخلق“ پڑھتے تھے اورعبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اورابوالدرداء رضی اللہ عنہ ”والذکر والانثی“ پڑھتے اور”ماخلق“نہیں پڑھتے تھے کہ ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ لفظ یہاں نہیں سُنا،مگر ”ماخلق“ پڑھنے والوں پربھی انکارنہیں کرتے تھے۔(۳)علی ہذا دیگرامور میں کہ ان میں اختلاف ہے ہرشخص جس طرح اس نے استادوں سے سُنا پڑھتا ہے،مگر دوسروں پراعتراض نہیں کرتا؛ کیوں کہ سب کے پاس سند متصل الیٰ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہےاور یہ

(۱) (قوله:مالک يوم الدين)قرأ عاصم والكسائى ويعقوب :مالک،وقرأ الآخرون:ملک.(تفسير البغوى، سورة الفاتحة: ۱/ ۷٤،دارإحياء التراث العربى)

(۲) ﴿وَاتَّخِذُوا﴾ بالكسر وبها نقرأ لأنها تدل على الغرض.(معانى القرآن للأخفش،سورة البقرة: ۱/ ۱۵۵، مكتبة الخانجى القاهرة.انيس)

القول فى تأويل قوله ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلیٰ﴾قال أبوجعفر:اختلفت القراء ة فى قراء ة ذلک، فقرأ بعضهم واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى بكسر الخاء.على وجه الأمر باتخاذه مصلى،وهى قراء ة عامة المصريين الكوفة والبصرة وقراء ة عامة قرأة أهل مكة وبعض قرأة أهل المدينة .(تفسير الطبرى: ۲/ ۳۰،مؤسسة الرسالة،انيس)

قرئت ”واتخذوا“بالفتح والكسر.(معانى القرآن وإعرابه للزجاج: ۱/ ۲۰٦،عالم الكتب.انيس)

(۳) عن علقمة قال:دخلت فى نفر من أصحاب عبدالله الشام فسمع بنا أبوالدرداء فأتانا فقال:أفيكم من يقرأ ؟فقلنا:نعم،فأيكم أقرأ ؟فأشاروا إلىَّ،فقرأت:”والليل إذا يغشٰى والنهار إذا تجلٰى والذكر والأنثٰى“ قال:أنت سمعتها من في صاحبک؟قلت:نعم،قال:وأنا سمعتها من في رسول الله صلى الله عليه وسلم وهؤلاء يأبون علينا.(الصحيح للبخارى،باب والنهار إذا تجلٰى (ح:٤٩٤٣)انيس)

قراء سبعہ زمانہ مشہود لہا بالخیر میں ہیں اور مقبول تمام امۃ حقہ ہیں کہ یا تابعی ہیں یا تبع تابعین اور روایت ان کی صحابہ کرام وتابعین سے ہے، پس ایسی حالت اختلاف میں ایک کو سنت اور ایک کو بدعت کہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ (معاذ اللہ)

اسی طریق پر حال اوقاف کا ہے کہ یہ قراء سبعہ معتبرہ اپنے اپنے اساتذہ سے جیسا انہوں نے سنا ہے، ویسا ہی پڑھتے ہیں اور ان کے بعد ان کے شاگرد ویسا ہی ادا کرتے چلے آئے تو تقرر اوقاف کا ان طبقات میں ہو چکا ہے، نہ سجاوندی نے وضع کیا، نہ کسی دوسرے نے، البتہ ان کا تسمیہ اصطلاحاً کہ یہ وقف لازم ہے، یہ ط۔ ہے، یہ پیچھے ہوا ہے، سواس طرز سے قرأت میں کچھ تفاوت نہیں اور تسمیہ اوقاف میں کچھ حرج لازم نہیں آتا اور جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا کمی زیادتی کلمات یا تغیر، تبدل حرکات سکنات میں یا تمدید صوت میں مختلف طرح سے ثابت ہوا ہے، ایسے ہی اوقاف کا حال ہے کہ آپ کا فقط ایک طرز وقف کا ہو، یہ ہرگز ثابت نہیں، اسی واسطے یہ قراء سبعہ معتبرہ مثلاً وقف میں اختلاف رکھتے ہیں، نافع مدنی جہاں بلحاظ معنی ٹھہرنا مناسب ہو وہاں ٹھہرتے ہیں اور آیت کی کچھ رعایت نہیں کرتے ہو، یا نہ ہو صرف لحاظ معنی کا کرتے ہیں اور ابن کثیر اور حمزہ جہاں سانس ٹوٹ جاوے، وہاں وقف کرتے ہیں، اگرچہ بیچ میں آیت آجاوے اور عاصم اور کسائی جہاں کلام ختم ہو، وہاں ٹھہرتے ہیں، اگرچہ آیت اس جگہ پر ہو یا نہ ہو اور ابوعمر وبصری آیت پر وقف کرتے ہیں اور یہ سب اپنی وضع کو معمول بہ اور مستحسن جانتے ہیں اور دوسرے کی رائے یا مذہب پر اعتراض یا طعن بدعت کا نہیں کرتے؛ کیوں کہ سب کے پاس حجت شرعیہ موجود ہے۔

الحاصل: ان طبقات میں سب قراء اور ائمہ اعلام اس بات پر اجماع اور اتفاق رکھتے تھے کہ آیت وغیر آیت پر دونوں جگہ وقف جائز ہے اور کسی ایک نے بھی اس وقت میں اس کا خلاف نہیں کیا۔ پس بحکم قول نبی علیہ الصلاۃ والسلام "**لا تجتمع امتی علیٰ الضلالة**" (۱) یہ امر جائز ہو گیا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وسآء ت مصیرا﴾ (۲) من بعد اگر کوئی خرق اجماع کرے تو وہ خود خاطی ہے۔

(۱) میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

رواه الطبرانی فی الکبیر، عمرو بن دینار عن ابن عمر (ح: ۱۳۶۲۳) بلفظ: "لن تجتمع أمتی علی الصلاة أبداً، فعلیکم بالجماعة فإن یداللّٰه علی الجماعة"، وفی المستدرک للحاکم، ومنهم یحی بن أبی المطاع القرشی (ح: ۳۹٤) بلفظ: "لا یجمع اللّٰه أمتی علی الضلالة أبداً"، وفی الکنیٰ والأسماء للدولابی، عن أنس بن مالک (ح: ۹۳۷) بلفظ: "لا تجتمع أمتی علی ضلالة".

(۲) اور جس شخص نے ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی نافرمانی کی اور مومنوں کی راہ کے سوا راہ اختیار کی ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے، جس طرف وہ پھر گیا اور اس کو جہنم میں پہنچا دیں گے اور برا ٹھکانہ ہے۔

سورۃ النساء: ۱۱۵، انیس

پس جیسا مجیب اوراس کے اتباع نے اختیار کیا ہے، یہ کسی اہل حق کا مذہب نہیں ہےاور گویا مجیب نے تمام اہل حق کو مبتدع ٹھہرایا۔(معاذ اللہ) اور یہ سب اسی اتقان سے جس سے مجیب اسناد واستدلال کرتا ہے، واضح ہے۔ ہر اہل علم اس کو دیکھ سکتا ہے؛ حالانکہ اس کتاب میں ہرگز کسی طریقہ کو بدعت نہیں کہا؛ بلکہ سب کو جائز اور متعارف لکھا ہے۔ پس ہر اہل عقل وعدل سمجھ سکتا ہے کہ مجیب نے کس قدر جور کیا، سب کو مبتدع بنا چھوڑا اور یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جو بہ سند صحیح متصل مروی ہے، جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں اورنسائی نے ایک اور روایت سے ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

حدثنا الليث،عن عبد اللّٰه بن عبيد اللّٰه بن أبى مليكة،عن يعلٰى بن مملک أنه سأل أم سلمة رضى اللّٰه تعالٰى عنه زوج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عن قرأة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم و صلاته،فقالت:مالكم و صلا ته "كان يصلى ثم ينام قدرماصلّٰى،ثم يصلى قدرما نام،ثم ينام قدر ما صلى حتى يصبح" و نعتت قرأته،فإذا هى تنعت قرأة مفسرة حرفاً حرفاً.(۱)

دیکھئے اس حدیث میں کوئی ذکر وقف علی الآیہ کا نہیں ہےاور دوسری روایت کہ جس میں ذکر وقف کا ہےاوراس کو دارقطنی نے اور ایک روایت سے ابو داؤد نے اور ایک روایت سے ترمذی نے نقل کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے کہ عبداللہ بن ابی ملیکہ کے بعد یعلی بن مملک مذکور نہیں، لہذا وہ روایت منقطع ہوئی، یہ جماعت اس زمانہ کی جو اپنے آپ کو محدث کہتے ہیں، وہ حدیث مرسل منقطع کو حجت نہیں جانتے اور نہ اس پر عمل درست جانتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اس حدیث منقطع پر کس طرح اعتماد کر کے تمام امت مقبولہ کو مبتدع بنایا، ان کو اپنے قاعدہ کے موافق لازم تھا کہ اس روایت کی طرف التفات نہ کرتے۔ چنانچہ ترمذی نے اس میں کلام کیا ہے۔

حيث قال هٰذاحديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من حديث ليث بن سعد،عن ابن أبى

---

(۱) لیث نے عبداللہ ابن عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کی ہےاور وہ یعلی بن مملک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت دریافت کی اور آپ کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اُن کی نماز پوچھ کر کیا کرو گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر اتنی دیر سوتے تھے جتنی دیر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور پھر اتنی دیر نماز پڑھتے تھے جتنی دیر کہ سوئے۔ پھر اتنی دیر سوتے تھے جتنی دیر کہ نماز پڑھی اسی طرح صبح فرمادیتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا بیان فرمایا تو آپ کی قراءت ایک ایک حرف مفسرا بیان فرمایا۔

سنن الترمذى،باب ماجاء كيف كانت قراء ة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح:۲۹۲۳)/خلق أفعال العباد للبخارى،باب أفعال العباد : ۵۳/۱،دارالمعارف السعودية/سنن أبى داؤد،باب استحباب الترتيل فى القراء ة (ح:۱٤٦٦)/سنن النسائى،باب ذكر صلاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۱٦۲۹)/مسندالإمام أحمد،حديث أم سلمة زوج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح:۲٦٥٦٤)انیس)

مليكة،عن يعلىٰ بن مملك،عن أم سلمة،وقد روى ابن جريج هٰذاالحديث عن ابن أبى مليكة، عن أم سلمة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقطع قراء ته" وحديث الليث أصح،إنتهى.وفيه بعد يسيرحدثنا على بن حجرقال:نا يحيى ابن سعيد الأموى،عن ابن جريج،عن ابن أبى مليكة، عن أم سلمة،قالت:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراء ته يقرأ:(الحمد لله رب العٰلمين)ثم يقف(الرحمٰن الرحيم) يقف،وكان يقرء ها(مٰلك يوم الدين)هٰذا حديث غريب وبه يقرأ أبوعبيد ويختاره.هٰكذا روى يحيى بن سعيد الأموى،وغيره عن ابن جريج عن ابن أبى مليكة،عن أم سلمة،وليس إسناده بمتصل لأن الليث بن سعد،روى هٰذاالحديث عن ابن أبى مليكة،عن يعلى بن مملك،عن أم سلمة... أنها وصفت قرأة النبى صلى الله عليه وسلم حرفاً حرفاً وحديث الليث أصح وليس فى حديث الليث وكان يقرأ مٰلك يوم الدين .(۱)

اسے دیکھوترمذی نے کیسی منقطع بنا کر استدلال اس جماعۃ کا لغوٹھہرادیا۔

مگر ہم لوگ چونکہ مرسل ومنقطع ثقہ کومعتبر جانتے ہیں،ہم پرشرح اس حدیث کی ضروری ہے،وہ یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی،جو بیان فرمایا تو یہ نہیں کہا کہ تمام قرآن میں آپ اسی طرح کرتے تھے اور خاص اس ایک طریقہ قرأت اور وقف ہر آیت پر آپ کی قرأت کو حصر نہیں کیا؛تا کہ اس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے اس کے خلاف نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احیاناً ایسے ہی پڑھا ہے اور احیاناً دوسری طرح بھی پڑھا ہے،جو کہ اجماع قرونِ ثلثہ سے معلوم ہوا،اگر اس میں کوئی لفظ حصر ہوتا تو استدلال ہوسکتا تھا، چونکہ اس میں کوئی لفظ حصر کا نہیں ہے تو ہرگز اس روایت سے تردید اس ایک طریقہ قرأت کے خلاف کی نہیں ہوسکتی۔

(۱)　چنانچہ کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے مگر لیث بن سعد کی حدیث سے جو ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ یعلی بن مملک سے اور وہ ام سلمہ سے اور ابن جریج نے اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے اور وہ ام سلمہؓ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قراءت جدا جدا کرتے دیکھا ہے اور لیث کی حدیث صحیح ترین ہے اور اس میں تھوڑی دیر کے بعد ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی علی بن حجر نے کہ ہم کو خبر دی یحیٰ بن سعید اموی نے ابن جریج سے اور وہ ابن ابی ملیکہ سے اور وہ ام سلمہؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کو جدا جدا کر کے پڑھتے تھے کہ الحمدللہ رب العالمین پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ٹھہرتے تھے۔پھر مالک یوم الدین پڑھتے تھے۔یہ حدیث غریب ہے اور اسی کو ابوعبیدہ پڑھتے تھے اور پسند کرتے تھے اور اس طرح نہیں روایت کی یحیٰ بن سعید اموی وغیرہ نے ابن جریج سے اور وہ ابن ملیکہ سے اور وہ ام سلمہؓ سے اور اس کی اسناد متصل نہیں ہیں اس لئے کہ لیث بن سعد نے اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے اور وہ یعلی بن مملک سے وہ ام سلمہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو حرفاً حرفاً بیان کیا اور حدیث لیث اصح ترین ہے اور حدیث لیث میں یہ نہیں ہے کہ ملک یوم الدین پڑھتے تھے۔

سنن الترمذى ، كتاب القراء ات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب فى فاتحة الكتاب: ۱۸۵/۵،رقم الحديث:۲۹۲۷،انيس

دیکھو کہ اس ہی حدیث میں طرزِ تہجد آپ کا اس طرح پر روایت کیا ہے کہ آپ ایک مرتبہ کچھ نماز پڑھ کر اتنا ہی سور ہتے تھے، پھر اُٹھ کر دوبارہ آدھی نماز پڑھتے تھے، پھر اسی قدر سورہتے تھے؛ حالانکہ اور بہت سی روایات میں یہ امر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی دفعہ ساری تہجد پڑھی ہے۔

استدلال مجیب بروایت ام سلمہ کے موافق لازم آتا ہے کہ جیسے اس روایت میں طریقہ تہجد مروی ہے اس کے سوا، اور جس قدر طریقے ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل فرمانا روایات صحاح سے ثابت ہے، وہ سب بدعت ہوں۔ (معاذ اللہ) اور اسی روایت میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت "**ملک یوم الدین**" نقل کی ہے؛ حالانکہ دوسری روایت میں "**مالک یوم الدین**"، بھی آپ کا پڑھنا ثابت ہے، پس جیسا کہ یہ طرز تہجد اور قرأت "**ملک یوم الدین**" احیاناً ہے، نہ (کہ) دائما، ایسے ہی وقف علی رؤس الآیات احیاناً ہے، نہ کہ دائماً۔

حضرت ام سلمہؓ نے ان تین امور کو جو فرمایا ہے، اس میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں ہے کہ نفی دوسرے طریقہ کی ہوجائے، علی ہذا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفسرۃً حرفاً حرفاً فرمایا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرأت مستعجلاً کہ جس میں صحت لفظ وادائے حروف فوت نہ ہو بدعت ہوجائے؛ بلکہ اس طرح پڑھنا ہی جائز ہے؛ بلکہ بعض صحابہ کے نزدیک افضل ہے، برحسب رائے مجیب چاہیے تھا کہ بدعت اور ناجائز ہو؛ حالانکہ باجماع امت یہ جائز ہے، صرف اختلاف افضلیت میں ہے، چنانچہ علامہ مجدالدین سفرالسعادت میں فرماتے ہیں:

''وعلماء رادریں مسئلہ اختلاف ست کہ ترتیل با قلت قرأت افضل است یا سرعت با کثرت قرأت ابن عباس وابن مسعود می گویند؟ ترتیل وتدبر با قلت قرأت افضل است وامیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجماعتے از صحابہ وتابعین و امام شافعی می گویند سرعت وکثرت قرأت افضل است اگر چہ ہر حرفے رادہ حسنہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ہر حرفے رادہ حسنہ است لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف، انتہی۔ (۱)

اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ حدیث صحیح متصل السند ام سلمہؓ سے تو یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھتے تھے، مجیب اور اس کے اتباع نے اس طرز قرأت کو دائمی قرار دے کر قرأت مستعجلا کو بدعت نہیں کہا؛ حالانکہ

---

(۱) اور علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ترتیل قلت قراءت کے ساتھ افضل ہے یا سرعت با کثرت قراءت؟ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ترتیل وتدبر قلت قراءت کے ساتھ افضل ہے اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ وتابعین کی اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سرعت وکثرت قراءت افضل ہے؛ کیوں کہ ہر حرف کی دس نیکیاں ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم حرف ہے؛ بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف۔

حدیث عبداللّٰہ بن مسعود رواہ عبد الرزاق الصنعانی فی المصنف، باب تعلیم القرآن وفضلہ (ح: ۶۰۱۷) انیس

ان کی فہم کے موافق اس کا بدعت ہونا بھی ضروری تھا اور حدیث منقطع جس میں " بـقـطـع آية آية" ہے اور حسبِ مذہب مجیب غیر معتبر اس پر اعتماد کر کے اوقاف مستحبہ کو بدعت قرار دیا۔ (معاذ اللہ من ہذا لفہم الردی)

پھر دوسرا اعجوبہ یہ ہے کہ سائل حدیث متصل السند سے جواب مانگتا ہے اور مجیب صاحب منقطع السند سے جواب دیتے ہیں۔ (لا حول و لا قو ة إلا بـالـلّٰـه العلي العظيم) اگر کہا جائے کہ اگر چہ اس جگہ اس روایت سے مستعجلا پڑھنا بدعت معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ دوسری جگہ مستعجلا پڑھنا ثابت ہے، اس لئے وہ بدعت نہ ہوا تو جواب یہ ہے کہ خود اسی حدیث سے بروایت دارقطنی "انـعـمت عليهم" پر وقف نہ کرنا ثابت ہو گیا؛(۱) باوجودیکہ یہاں پر آیت ہے اور دیگر روایات صحیحہ و نیز اجماع سے اور بہت سے موقع پر باوجود آیت ہونے کے وقف نہ کرنا ثابت ہے، لہٰذا یہ بھی بدعت نہ ہونا چاہیے اور چونکہ ہندوستان میں قرأت عاصم کی شائع ہے تو اہلِ ہند کے اوقاف بھی مثل اوقاف عاصم کے ہیں۔

الحاصل اس کے اوقاف کو بدعت کہنا سخت بے جا ہے، وقف کرنا رؤس آیات پر روایت مذکورہ سے ثابت ہوا اور غیر رؤس آیات پر روایت ہذا اور بہت سی روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہوا۔ پس قرأت قرآن میں دونوں طرح سے پڑھنا؛ یعنی قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور مستعجلا دونوں طرح سے درست ہے، ایسے ہی وقف علی رؤس الآیات بھی درست ہے اور عدم وقف بھی اور اصل یہ ہے کہ اوقاف ہی تفسیر قرآن ہیں کہ فصل و وصل سے معنی قرآن کے واضح ہو جاتے ہیں۔

سو ایسی طرح سے پڑھنا کہ جس سے توضیح مطلب ہو جائے مستحسن ہے اور بعض کج فہم جو اس تفسیر کو بدعت کہتے ہیں، یہ اُن کی نہایت ہی کم فہمی ہے؛ کیوں کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ جس کی نظیر قرونِ ثلثہ میں نہ پائی گئی ہو اور جب کہ یہ خود قرونِ ثلثہ میں پائی گئی تو کوئی ان کو کیسے بدعت کہہ سکتا ہے؟ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قراء تابعی ہیں، یا تبع تابعی اور خود صحابہ سے روایت کرتے ہیں، اگر بالفرض ان کا وجود قرونِ ثلٰثہ میں نہ پایا جاتا، تب بھی یہ بدعت نہ ہوتی؛ کیوں کہ ان کی نظیر خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی جاتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آیت شریف "سميعا بـصيـرا" (۲) کو پڑھا تو آپ نے سمع اقدس و چشمان مبارک پر انگلی کا اشارہ فرمایا اور جب آیت شریف "إذا دكّت الارض دكّا دكّا" (۳) تلاوت فرمائی تو انگشتان مبارک کو باہم دبا دیا، پس جیسے یہ فعل آپ کا تفسیر کلام اللہ شریف کی واقع ہوئی ہے، ایسے ہی اوقاف بھی کلام مبارک کی مراد واضح کر دیتے ہیں اور ان سے اس کی تفسیر ہو جاتی ہے۔

(۱) سنن الدارقطني، باب وجوب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم (ح:۱۱۷۵) انیس
(۲) سورة النساء: ۵۸. انیس
(۳) سورة الفجر: ۲۱. انیس

اور سنو کہ سائل نے کیفیت نماز تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دریافت کی ہے اور یہ سوال فی الجملہ نامناسب تھا، جیسا کہ کسی شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کیسے رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوئے اور اس سوال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا، پس اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: "**مالكم وصلاته**" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز تجھ سے کب ادا ہوسکتی ہے تو اس سے کیا کرتا ہے، لہٰذا جو فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا أشد وأحمر تھا، وہ ام سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ یہ طریقہ سب طریق سے احمر واشد ہے اور طریقہ قرأت کا بھی وہی فرمایا کہ جو نفس پر اشد ہے؛ یعنی بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھنا اور ہر آیت پر وقف کرنا کہ اس میں دیر زیادہ لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف بھی زیادہ پڑھنا ہوتا تھا، نہ یہ کہ آپ ہمیشہ نماز وقرآن اسی طرح پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس کے سوا کوئی طریقہ معلوم ہی نہ تھا؛ بلکہ یہ طریقہ شدید تھا، اس لئے اس کا بیان کرنا مناسب تھا، پس انہوں نے اسی کو بیان فرمایا، سواولاً یہ طریقہ خاص قرأت تہجد کا ہے، نہ مطلق قرأت قرآن کا، نماز وخارج نماز میں، مثلاً: نماز مغرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اعراف پڑھی، اگر سورۂ اعراف بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور ہر آیت پر وقف کے التزام سے پڑھی جاتی تو مغرب کے وقت مستحب میں ہرگز تمام نہ ہوسکتی؛ بلکہ عشاء کا وقت ہوجاتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مستعجلاً قرأت پڑھی تھی، ایسے ہی نماز تہجد میں بھی احیاناً؛ کیوں کہ تہجد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ کا ایک رکعت میں سورۂ بقرہ وآل عمران ونساء کا پڑھنا ثابت ہے، حالانکہ وقت تہجد میں بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً بالتزام وقف ہر ہر آیت ساری نماز میں بھی یہ سورتیں نہیں ہوسکتیں۔

رہا حال اوقاف تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ تمام امت کا اتفاق اس کے جواز پر ہے خلاف پر نہیں ہے۔ بلکہ خود اس حدیث کے اندر حجت موجود ہے۔ دیکھو دارقطنی نے جو اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں یہ لفظ ہیں "**وعد بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم**، آية **ولم يعد عليهم**" (۱) جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "**أنعمت عليهم**" پر وقف نہیں کیا؛ حالانکہ "**أنعمت عليهم**" آیت ہے، نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی تین قاری کہ سبعہ متواترہ کے راوی ہیں اور قرأت ان کی قطعی ہے، ہاں آیت کہتے ہیں اور آیات کا حال سامع سے تعلق رکھتا ہے کہ یہ امر توقیفی ہے، چنانچہ تفسیر کشاف وغیرہ میں مصرح ہے، (۲) اور اتقان وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے، (۳) اور رسول اللہ

(۱) بسم اللہ الرحمٰن کو آپ نے آیت شمار کیا اور **عليهم** یعنی **غير المغضوب عليهم** کو آیت شمار نہیں فرمایا۔ (**سنن الدارقطني، باب وجوب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم (ح: ۱۱۷۵) انیس**)

(۲) **تفسير الكشاف للزمخشري، سورة البقرة: ۳۱/۱، دار الكتاب العربي بيروت. انيس**

(۳) **الإتقان في علوم القرآن، النوع الثامن عشر في جمعه وترتيبه: ۲۱٤/۱، الهيئة المصرية العامة للكتاب. انيس**

صلی اللہ علیہ وسلم وقف آیت پر اسی واسطے کرتے تھے کہ معلوم ہوجائے کہ یہاں آیت ہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہوجاتا کہ لوگوں کو یہاں آیت ہونا معلوم ہوگیا تو بسا اوقات نہیں بھی کرتے تھے، پس بتواتر ثابت ہوگیا کہ یہاں آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور اس روایت ام سلمہؓ سے یہاں وقف نہ کرنا ثابت ہوگیا اور یہ دونوں فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ہیں تو اس سے عدم توقف آیت پر ثابت ہوگیا علی ہذا جہاں اختلاف قرأت آیات میں ہے کہ بعض کے نزدیک وہاں آیت نہیں ہے اور بعض کے نزدیک وہاں آیت ہے۔

پس وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ وہاں وقف کیا بعض مرتبہ نہیں کیا۔ تو جن لوگوں نے پہلے وہاں وقف سُن لیا تھا وہ آیت کے قائل ہوئے اور جن کو پہلے سے یہ علم نہ ہوا تھا انہوں نے وہاں نہ ٹھہرائی۔

چنانچہ اتقان صفحہ:۹۶ میں ہے:

(وقال) غير سبب إختلاف السلف في عدد الأمي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقف على رؤس الآى للتوقيف فإذا علم محلها وصل للتمام فيحسب السامع أنها ليست فاصلة، انتهى. (۱) **والله أعلم بالصواب**

الحاصل: جواب مجیب کو اور تصحیح اس کے اتباع کی سراسر بے جا ہے اور طعن ناموزوں جماعۃ صحابہ وتابعین پر۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم فقط (تالیفات رشیدیہ ۲۷۳-۲۸۰)

---

(۱) النوع التاسع عشر في عدد سورة وآيات وكلماته وحروفه، انيس

مسئلہ: قرآن مجید دنیا کی غرض سے پڑھنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جو شخص قرآن مجید حاصل کرے؛ تا کہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا، جس پر گوشت نہ ہوگا''۔ (بیہقی، فضائل قرآن: ۵۶)

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا باوضو قبلہ رو ہو اچھے کپڑے میں ہو۔ (قاضی خان، قبیل فصل فی المسجد بہامش عالمگیری: ۱/۱۶۱)

(۱) بے وضو بھی پڑھ سکتا ہے لیکن چھو نہیں سکتا ہے۔ (۲) جن پر غسل فرض ہو وہ نہ پڑھ سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے۔

مسئلہ: اعوذ باللہ الخ (شروع کرتے وقت) پڑھے۔

(۱) اعوذ باللہ الخ ایک مرتبہ پڑھنا کافی ہے۔ (۲) ہر سورہ کے شروع میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (حوالہ بالا)

مسئلہ: (اعوذ الخ کے بعد) بسم اللہ الخ پڑھے۔

(۱) حیض ونفاس والی عورت اور جس پر غسل فرض ہو اس مرد وعورت کو تلاوت کرنے کی نیت سے بسم اللہ الخ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (۲) اور (بترک) برکت حاصل کرنے کے لئے پڑھنا جائز ہے۔ (۳) ان کو بسم اللہ الخ کا چھونا بھی منع ہے۔ (۴) غیر مسلم پاک صاف ہو کر قرآن مجید چھو سکتا ہے اور پڑھ سکتا ہے۔ (درمختار وشامی، باب الغسل: ۱/۱۱۹) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل ص ۶۲۲، ۶۲۳) (انیس)